NEED AND IMPORTANCE OF SUFISM'S OPINIONS ACCORDING TO MODERN REQUIREMENTS

تصوف کی آراء اور عصری تقاضوں کے مطابق ضرورت واہمیت

Amber Mehar, Lecturer Benazir Bhutto Shaheed University Liyari Karachi. amber.mehar@mail.com
Muhammad Ishaq, Dept. of Usooluddin, University of Karachi.

ABSTRACT: *Sufism actually is a name of a way of kindness and virtue. This path can be acquired by a person who has Book of Allah in one hand and Sunnah of Messenger of Allah PBUH in another. Book of Allah and Sunnah of the Prophet PBUH are two lamps, which enlighten his way of kindness and virtue, this light protects him from falling in dark well of innovation and apostasy. Islam in its basic and primary education has emphasized upon love for God, mannerism and empathy. What is Sufism? Sufism indeed is a gist of these all three points. These days a lot of criticism is posed on Sufism and is called a nonsensical collection of innovations, customs and rituals. The reason of which are those incapable and illiterate factors, sitting on the throne of spiritual guidance and head of religious orders. And due to their ignorance and lack of knowledge they act in a manner that defames the sacred sect like Sufism, and due to them only educated people start getting allergic and detest Sufism.*

KEYWORD: *Sufism, Opinions of Sufism, Sufism in Modern world., Need of Sufism.*

تصوف در حقیقت راہِ سلوک واحسان کا نام ہے اور یہ راہ ہر وہ شخص پا سکتا ہے جس نے ایک ہاتھ میں کتاب اللہ اور دوسرے ہاتھ میں سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھامی ہو۔ کتاب اللہ وسنت رسول دو چراغ ہیں۔ جن کی روشنی میں وہ سلوک واحسان کی راہیں طے کرتا ہے، یہ روشنی اسے بدعت وگمراہی کے تاریک کنویں میں گرنے سے روکتی ہے۔ اسلام نے اپنی بنیادی اور جوہری تعلیمات میں محبتِ خداوندی، اخلاق کریمانہ اور خدمت خلق کی تلقین پر بہت زور دیا ہے۔ تصوف کیا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ تصوف انہی ارکانِ ثلاثہ کا خُلاصہ ہے۔

موجودہ دور میں تصوف پر بیسیوں اعتراضات کئے جاتے ہیں، اسے بدعات ورسومات اور مشرکانہ روایات کا خرافاتی مجموعہ کہا جاتا ہے۔ اس کی وجہ دراصل وہ نااہل اور جاہل عناصر ہیں جو پیری اور ارشاد واصلاح کے مسند پر بیٹھے ہوئے ہیں اور وہ اپنے جہل اور کم علمی کی بنا پر ایسے اُمور اور اعمال کرتے ہیں جو تصوف جیسے مقدس شعبے کی بدنامی کا سبب بن جاتے ہیں اور جن کے سبب پڑھے لکھے عوام بھی فن تصوف سے الرجک اور متنفر ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ دیکھا جائے تو تصوف در حقیقت شریعت اسلامیہ ہی کا عملی اور پریکٹیکلی شعبہ ہے۔ جہاں دینی عقائد واعمال کو عملا ادا کرنے کا اور ذہن انسانی اور اعضائے انسانیہ کو احکام وآدابِ اسلام کے عملے تجربے سے گزار کر، شریعت کو اس کے مزاج وخون میں شامل کر دیا جاتا ہے۔ اس میں قطعا کوئی ایسا عمل نہیں کیا جاتا جو شریعتِ مطہرہ کے مزاج ومذاق اور اس کی روشن تعلیمات کے خلاف ہو۔ صوفیائے کرام کی تاریخ اور سوانح کا مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے کہ وہ سب تصوف کو شریعت کی پیروی کا نام دیتے تھے۔

چنانچہ تصوف کی تمام معتبر کتابوں، مثلاً شیخ ابو طالب مکی کی "قوت القلوب"، شیخ عبد الرحمان سلمی کی "طبقات الصوفیہ"، ابو نعیم اصفہانی کی "حلیۃ الاولیا"، امام قشیری کی "الرسالۃ القشیریۃ"، علی بن عثمان ہجویری کی "کشف المحجوب"، شیخ فرید الدین عطار کی "تذکرۃ الاولیا"۔ شیخ سہروردی کی "عوارف المعارف"، شیخ نظام الدین اولیا کے ملفوظات "فوائد الفوائد" اور اسی طرح شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی کے "ملفوظات خیر المجالس" کا بالاستیعاب مطالعہ کیا جائے، تو یہ سب کتب کتاب وسُنتِ رسول ﷺ پر عمل کی تلقین کرتی نظر آئیں گی، اور یہ حقیقت بھی منکشف ہو گی کہ ان کے لکھنے والے صوفیائے کرام کے زندگی بھر کے مجاہدات وریاضات میں قرآن وسنت سے سر مو انحراف کہیں نہیں ملے گا۔ان کی زندگی کا لمحہ لمحہ اور گھڑی گھڑی دین محمدی کی زندہ و متحرک تصویر تھی۔ دنیا بھر میں اسلام کی ترویج اور تبلیغ وعوت کی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو ایک حقیقت پسند مورخ بلا تامل یہ گواہی دیکھا کہ صوفیائے کرام نے ہر عہد میں اسلام کے روحانی اور اخلاقی نظام کو متحرک رکھا اور تبلیغ دین اور انسانیت کے کردار کی تعمیر کے اہم نبوی فریضے کی انجام دہی میں ان سے زیادہ قربانیاں کسی اور جماعت نے نہیں دیں۔ فلاسفہ اسلام نے عقائد اور علم کلام کا ایک وسیع لٹریچر مسلمانوں کو فراہم کیا۔ بیش بہا تالیفات ان کے درخشاں کارناموں میں سر فہرست شمار ہوتی ہیں، جو ہر دور کے علمی حلقوں میں معرکہ آرا رہیں۔ مگر ان فلاسفہ کا کام ذہنی تربیت اور دماغی آبیاری تک محدود رہا۔

صوفیائے کرام نے اس سے زیادہ اہم کام کیا۔انہوں نے دعوت و تبلیغ اور اصلاح وارشاد کے ذریعے ذہنی تربیت کے ساتھ اصلاح قلب پر بھی بھرپور توجہ دی۔ انہوں نے انسانی اذہان سے زیادہ ان کے قلوب کی تربیت کو فوکس کیا۔ قلب دراصل جسدِ انسانی کا محور و مرکز اور عُضوِ رئیسی ہے۔ اگر اسے فساد کا روگ لگ جائے تو ذہن و دماغ بھی متاثر ہو جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ألا إن في الجسد مضغة، إذا صلحت صلح الجسد كله، وإذا فسدت، فسد الجسد كله، ألا و هي القلب"[1] یعنی "انسان کے جسم میں ایک عضو ہے اگر وہ صالح ہو جائے تو سارا جسم صالح ہو جائے اور اگر وہ فاسد ہو جائے تو سارا جسم فاسد ہو جائے، سن لو وہ قلب ہے"۔ صوفیائے کرام نے اسی حدیث مبارک کو پیش نظر رکھ کر تزکیہ باطن پر توجہ دی کہ جب باطن سنور کر صالح بن جائے تو سارا وجود سنور جائے۔ علم کلام نے ایک زمانے تک عقائد اسلام کو دلائل سے منطقی اور فلسفیانہ اسلوب میں واضح کیا اور یوں دین کے اردگرد پھیلے شبہات و تشکیک کے غبار چھٹ گئے۔ مگر بعد میں اسی علم کو شکوک و شبہات پیدا کرنے کے آلے کے طور پر استعمال کیا جانے لگا تو علم کلام ایک گورکھ دھندہ بن کر رہ گیا۔ یہی ٹریجڈی تصوف کے ساتھ ہوئی۔ تصوف کے ذریعے علماو مشائخِ اُمت نے خلقِ خدا کی صدیوں تک اصلاح کی، مگر بعد میں اس میدان کے اندر ایسے جعلی صوفیا بھی آئے جنہوں نے تصوف اور شریعت کے درمیان لکیریں کھینچ دیں۔ انہوں نے زہد اور اعراض عن الدنیا کو رہبانیت کی صورت دیدی۔ رقص و سرود کو اپنی مجلسوں کا لازمہ بنایا۔ دیگر بہت سی بدعات اور مشرکانہ رسوم وعادات اختیار کر کے تصوف کا چہرہ مسخ کر دیا۔ حالانکہ صوفیائے کرام، جو شریعت

کے بہترین عالم تھے، انہوں نے دائم ان مشرکانہ رسوم و بدعات اور گمراہیوں کے خلاف آواز بلند کی۔ انہوں نے شریعت وطریقت کو لازم و ملزوم رکھا۔

لغوی پس منظر: تصوف کا اصل مادہ صاد، واو اور فا ہے۔ یہ عربی لفظ ہے۔ اور باب تفعل سے ہے۔ یا تو یہ صفا سے ہو گا اور عربی میں صفا کا مطلب ہے میل کچیل سے پاک ہونا۔ یعنی دل کی اصلاح کے ذریعے صفائی۔ مگر اس مادے سے صوفی کہنا درست نہیں بنتا۔ صفوی ہونا چاہئے۔ یا ممکن ہے صفہ و اہل صفہ کی نسبت ہو۔ مگر اس توجیہ میں بھی لغوی اشتقاق درست نہیں بنتا۔ کہ صفہ کی مناسبت سے صفی ہونا چاہے، نہ کہ صوفی۔

تصوف میں امام ابن تیمیہ کی تحقیق: امام ابن تیمیہ *مجموع الفتاوی* میں کہتے ہیں: ''كان السلف يسمون أهل الدين والعلم : 'القراء' يدخل فيهم العلماء والنُساك ،ثم حدث بعد ذلك اسم الصوفية والفقراء. واسم الصوفية هو نسبة إلى لباس الصوف؛ هذا هو الصحيح،وقد قيل إنه نسبة إلى صفوة الفقهاء ،وقيل إلى صوفة بن أد بن طانجة قبيلة من العرب ، كانوا يعرفون بالنسك ، وقيل إلى أهل الصفة ، وقيل إلى الصفاء،وقيل إلى الصف المقدم بين يدي الله تعالى. وهذه إقوال ضعيفة،فإنه لو كان كذالك لقيل صفي أوصفائي أوصفي ،ولم يقل صوفي'' (2)

''سلف اہل دین اور اہل علم کو قرا کہا کرتے تھے۔ یہ لفظ علما اور عُباد سب کو شامل ہوتا تھا۔ اس کے بعد صوفیہ اور فقرا کا نام ایجاد ہوا۔ صوفیہ اون کے لباس کی طرف منسوب ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ فقہا میں سب چنیدہ لوگوں کو صوفیہ کہا گیا۔ ایک قول ہے کہ صوفہ بن اد بن طانجہ کی نسبت سے صوفیہ کہا گیا۔ یہ عربی قبیلہ عبادت میں معروف تھا۔ ایک قول یہ ہے کہ صوفیہ کی نسبت اہل صفہ کی طرف ہے۔ اور ایک قول یہ ہے ص کہ صفا (کدورت سے پاکی) کی طرف اس کی نسبت ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ صوفیہ اللہ تعالی کے حضور میں صف اول کی طرف منسوب ہے۔ یہ سب اقوال کمزور ہیں۔ اگر ان سب اقوال کو درست مانا جائے تو اس اعتبار سے بالترتیب یہ لفظ صفی، یا صفائی یا صفوی یا صفی کہا جاتا۔ صوفی نہ کہا جاتا۔ امام ابن تیمیہ نے صوفیہ کی لغوی تحقیق سے متعلق منقول تمام اقوال کو نقل کر کے پہلے قول کو ترجیح دی ہے۔ جس سے ان کا رجحان بھی معلوم ہو گیا کہ ان کی تحقیق کے مطابق درست یہی ہے کہ تصوف دراصل "صوف" سے مشتق ہے۔ جو اون یا پشم کو کہا جاتا ہے۔''

شیخ علی ہجویری کی رائے: ''مشہور صوفی شیخ علی ہجویری رحمہ اللہ کے قول سے بھی امام ابن تیمیہ کی رائے کی تائید ہوتی ہے، وہ لکھتے ہیں: "تصوف کا اصل مادہ "صوف" ہے۔ جس کا معنی ہے "اون" اور 'تصوف' کا لغوی معنی ہے۔ اون کا لباس" جیسے "تقمص" کا معنی ہے قمیص پہننا''۔ (3)

شیخ قشیری کی رائے: شیخ قشیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''عربی زبان کی رو سے اس لفظ کی اصل شہادت نہ قیاس سے ملتی ہے، نہ اشتقاق سے، واضح امر تو یہ ہے کہ یہ نام لقب کی طرح ہے۔ اب رہے وہ لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ یہ لفظ صوف سے اور تصوف سے نکلا ہے۔ کیونکہ

عربی میں جب کوئی صوف کا لباس پہنے تو اس کے لئے تصوف کا بولتے ہیں۔ جس طرح قمیص پہننے کے لئے تقمص کا لفظ بولا جاتا ہے۔ تو یہ اس کے اشتقاق کی ایک وجہ ہو سکتی ہے۔ مگر ان لوگوں کا مخصوص لباس صوف (اون) نہ تھا۔" [4]

شیخ عمر بن محمد شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ اپنی شہرہ آفاق کتاب "عوارف المعارف" میں لکھتے ہیں: "شیخ ابوزرعہ طاہر بن محمد بن طاہر نے اپنے مشائخ کی اسناد کے حوالے سے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ہم سے بیان کی ہے: "رسول اللہ ﷺ غلام کی دعوت قبول فرماتے تھے۔ گدھے کی سواری کرتے تھے اور اون پہنتے تھے۔"

اس حدیث کی بنا پر ایک جماعت کی یہ رائے ہے کہ انہیں صوفیہ کا نام ان کے ظاہری لباس پر دیا گیا، کیونکہ انہوں نے صوف کا لباس پہننا پسند کیا۔ وہ زیادہ نرم و ملائم ہوتا ہے۔ اور انبیا علیہم السلام کا لباس بھی یہی ہوا کرتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت عیسی اون اور بالوں کا لباس پہنتے تھے اور درخت سے پھل کھاتے تھے۔ جہاں کہیں انہیں شام ہو جاتی تھی، وہیں سو جاتے تھے۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ کا قول ہے میں ستر صحابہ کو دیکھا جو جنگ بدر میں شریک ہوئے تھے۔ ان کی پوشاک اون تھی۔" [5]

اشتقاق کے بارے میں لکھتے ہیں: "یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ صوفی کی نسبت صفہ سے ہے۔ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے می ں غریب مہاجروں کا چبوترہ تھا۔ اگرچہ لفظی اشتقاق کے لحاظ سے یہ وجہ تسمیہ درست نہیں، مگ ر م فہوم کے لحاظ سے صحیح ہے۔ کیونکہ صوفیہ کا حال ان کے مشابہ ہے۔ وہ ب ھ ی اصحاب صفہ کی طرح آپس میں الفت و محبت سے ساتھ اکٹھے رہتے ہیں۔ اصحاب صفہ تقریبا چار سو مرد تھے۔ مدینہ منورہ میں ان کا کوئی کنبہ نہ تھا۔ وہ سب مسجد نبوی میں اکٹھے رہتے تھے۔ جیسا کہ صوفیہ خانقاہوں میں رہتے تھے۔ یہ اصحاب صفہ نہ زراعت کرتے تھے، نہ دودھ دوہنے والے مویشی رکھتے تھے، نہ تجارت کرتے تھے۔" [6]

علامہ اقبال کی رائے: شاعر مشرق علامہ محمد اقبال "تاریخ تصوف" میں لکھتے ہیں: "لفظ صوفی اور تصوف کے متعلق علمائے اسلام اور حال کے مغربی مستشرقین نے بہت بحث کی ہے۔ موخر الذکر اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ لفظ صوفی، صوف سے مشتق ہے۔ جو ایک قسم کا ریشمی کپڑا ہوتا ہے۔ چونکہ مسلمان زُہاد نے عیسائی راہبوں کی تقلید میں جو شام میں موجود تھے، اس کپڑے کو ترکِ دنیا کی علامت کے طور پر اختیار کیا۔ اس واسطے یہ لوگ صوفی کہلائے"۔ [7]

ڈاکٹر عبید اللہ فراہی کی رائے: ڈاکٹر عبید اللہ فراہی "تصوف ایک تجزیاتی مطالعہ" میں لکھتے ہیں: "لغوی اعتبار سے تصوف اور صوفی کی اصل "صُوف" ہے۔ لیکن اس سے ملتی جلتی آواز والے بعض الفاظ جیسے، صُفہ، صَفا، وغیرہ سے بھی صوفی کو مشتق بتایا جاتا ہے۔ ان الفاظ سے لفظ صوفی کو صرف صوتی مناسبت ہی نہیں، بلکہ صوفیانہ زندگی کے بعض پہلوؤں کا ان سے معنوی ربط بھی ہے۔ پھر بھی ایک صوفی کی مکمل شناخت اور تصوف کے حقیقی مفہوم تک رسائی کے لئے یہ الفاظ بہت ہی ناقص، محدود، اور ناکافی ہیں"۔" [8]

پھر "صُوف" کی طرف نسبت کے ذیل میں لکھتے ہیں: "اہلِ تصوف کا عام خیال یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اجل صحابہ وتابعین خصوصیت کے ساتھ صُوف کا لباس پہنتے تھے۔ صوف پوشی کو حد درجہ وقیع ثابت کرنے کے لئے شیخ سہروردی نے حضرت

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے حوالے سے ایک حدیث بیان کی ہے کہ جس دن اللہ تعالی نے موسی کو ہم کلامی کا شرف بخشا اس روز آپ صوف کا جبہ پہنے ہوئے تھے اور آپ کی ازار اور چادر بھی صوف ہی کی تھی۔ اس لباس کی تعریف میں شیخ ہجویری نے کافی شاعرانہ انداز اختیار کیا ہے۔"(9)

ڈاکٹر زکی مبارک کی منفرد رائے: ڈاکٹر زکی مبارک اپنی شہرہ آفاق کتاب " التصوف الاسلامی فی الادب والاخلاق " میں لکھتے ہیں:

"وهي تحتمل أربعة فروض: الأول أن يكون الصوفي منسوبا إلى صوفة، والثاني أن يكون منسوبا إلى الصوف،والثالث أن يكون مشتقا من الصفاء، والرابع أن منسوبا إلى كلمة "سوفيا" اليونانية.أما صوفة الذي قيل: إن الصوفي نسب إليه، فهو اسم رجل كان انفرد بخدمة الله سبحانه وتعالى،عند بيته الحرام،واسمه الغوث بن مر،فانتسب الصوفية إليه،لمشابهتم إياه،في الانقطاع إلى الله،وإلى القارئ مايقول ابن الجوزي في ذلك۔"

"قال أبومحمد عبد الغني بن سعيد الحافظ قال:سألت وليد بن القاسم : إلى أي شيئ ينسب الصوفي؟ فقال: كان قوم في الجاهلية يقال لهم صوفة،انقطعوا إلى الله عزوجل، وقطنوا الكعبة،فمن تشبة منهم فهم الصوفية،قال عبد الغني فهؤلاء المعروفون بصوفة، ولدالغوث بن مربن أخي تميم بن مر."(10) "لفظ 'صوفی' میں چار احتمال ہیں: ایک یہ کہ 'صوفہ' کی طرف منسوب ہو، دوسرے یہ کہ 'صُوف' کی طرف منسوب ہو۔ تیسرے یہ کہ 'صفا' سے مشتق ہو۔ چوتھے یہ کہ یونانی زبان کے لفظ "سوفیا" کی طرف منسوب ہو۔ جہاں تک پہلے احتمال کی بات ہے کہ لفظ صوفی "صوفہ" کی منسوب ہو، تو صوفی دراصل مسجد حرام میں خود کو اللہ کی عبادت وخدمت کے لئے وقف کرنے والے شخص غوث بن مر کا لقب تھا۔"

" اللہ تعالی کی طرف مکمل انابت میں اس شخص کے ساتھ مشابہت کے سبب صوفیہ کی نسبت اس کی طرف کی گئی۔ اس سلسلے میں ابن جوزی کی ایک روایت قاری کے سامنے رکھتے ہیں: ابو محمد عبدالغنی کہتے ہیں کہ میں نے ولید سے دریافت کیا کہ صوفی کس چیز کی طرف منسوب ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا "زمانہ جاہلیت میں ایک قوم نے دنیا سے کٹ کر اللہ سے رشتہ جوڑ لیا تھا، وہ بیت اللہ میں رہتے تھے، انہیں صوفیہ کہا جاتا تھا۔ سو جو لوگ ان سے مشابہت رکھتے ہیں ان کو صوفیہ کہا جاتا ہے۔ عبدالغنی کہتے ہیں کہ آج کل جو لوگ صوفہ کے نام سے معروف ہیں، وہ غوث بن مر کی اولاد ہیں"۔(11)

دوسرے احتمال کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر زکی مبارک نے لکھا ہے کہ تحقیق وتتبع کے بعد میری رائے یہ بنی ہے کہ یہی احتمال قوی ہے۔ یعنی یہ کہ صوفیا کی نسبت صوف (اون) کی طرف ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں: "والفرض الثاني، أن يكون الصوفي منسوبا إلى الصوف،وقدتعقبنا هذا الفرض فرأيناه أصح الفروض،ولتأييد هذا الفرض شواهد كثيرة جدا،قيدناها في المطالعة".(12) "دوسرا احتمال، کہ صوفی کی نسبت صوف کی طرف ہو، اس احتمال کو ہم نے تلاش وتحقیق کے بعد سب سے زیادہ صحیح پایا۔ اس کی تائید میں بیسیوں شواہد موجود ہیں، جنہیں ہم دوران مطالعہ نوٹ کرتے رہے"۔

امام یافعی کی رائے: اس سلسلے میں انہوں نے مشہور محقق صوفی عالم دین یافعی کی عبارات سے استدلال کیا ہے۔ چنانچہ یافعی فرماتے ہیں: "وقيل إلى الصوف،لأن لباسه كان غالبا على المتقدمين من سلفهم لكونه أرفق وأقرب إلى الخمول والتواضع والزهد،ولكونه لباس الأنبياءعليهم الصلاة والسلام،وقد جاء أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يركب الحمار،ويلبس الصوف. وعنه صلى الله عليه وسلم أنه قال: " يوم كلم الله موسى عليه السلام، كان عليه جبة من صوف وسراويل من صوف وكساء من صوف".وقال الحسن البصري رضي الله عنه: لقد أدركت سبعين بدريا كان لباسهم الصوف"۔[13]

"ایک قول یہ ہے کہ 'صوفی' کی نسبت صوف (اون) کی طرف ہے، اس لئے کہ ابتدائی دور کے اسلاف کا لباس زیادہ تر اُون رہا کرتا تھا کہ یہ لباس نرم ہے خمول، تواضع اور زہد سے زیادہ مناسبت بھی رکھتا ہے۔ اور یہ کہ یہ انبیاے کرام علیہم السلام کا لباس ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گدھے پر سوار ہوتے تھے اور اون زیب تن فرمایا کرتے تھے۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا: جس دن اللہ تعالی نے موسی علیہ السلام سے مکالمہ کیا، اس دن موسی علیہ السلام نے اون کی شلوار، قمیض پہنی اور چادر اوڑھی ہوئی تھی۔ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کا قول ہے کہ میں نے ستر بدری صحابہ کو دیکھا، اس کا لباس اون کا تھا"۔[14] یہ روایات نقل کرنے کے بعد، لفظ صوفی کے اشتقاق پر بات کرتے ہوئے یافعی کہتے ہیں میرے نزدیک یہی قول سب سے زیادہ مناسب ہے کہ صوفی کی نسبت صوف (اون) کی طرف ہے۔

شیخ شبلی کی رائے: عبدالرحمان بن عبدالسلام اپنی کتاب میں تصوف کی دنیا کی معروف شخصیت شیخ شبلی کا ایک قول نقل کیا ہے، جس میں انہوں نے "صوفی" کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا ہے: "الصوفي من لبس الصوف على الصفا،وأذاق الهوى طعم الجفا، ولزم طريق المصطفي، وكانت الدنيا على القفا"۔[15] "صوفی وہ ہے جو صفائی کے ساتھ صوف پوشی (اون پہننا) اختیار کرتا ہے، ہوائے نفس کو سختی کا مزہ چکھاتا ہے۔ شرع مصطفوی کو لازم کرلیتا ہے، اور دنیا کو پس پشت ڈال دیتا ہے"۔

صوفی کی اصطلاح کب پڑی؟

شیخ شہاب الدین سہر وردی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب عوارف المعارف میں لکھتے ہیں کہ: "بہر حال یہ واقعہ ہے کہ یہ نام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں نہیں رکھا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ تابعین کے زمانے میں رکھا گیا تھا۔ حضرت حسن بصری سے روایت منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا: "میں نے خانہ کعبہ کا طواف کرتے ہوئے ایک صوفی کو دیکھا۔ اسے میں نے کچھ دینا چاہا مگر اس نے نہ لیا اور کہنے لگا "میرے پاس چار دانگ ہیں۔ جو میرے لئے کافی ہوں گے"۔ اس روایت کی تائید حضرت سفیان کے اس قول سے ہوتی ہے کہ انہوں نے فرمایا: "اگر ابوالہاشم الصوفی نہ ہوتے تو میں ریاکاری کی دقیق باتوں سے واقف نہ ہوتا"۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ نام زمانہ قدیم سے مشہور ہے۔"[16]

ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی لکھتے ہیں: ''اسلام میں صوفی کا لقب سب سے پہلے ابوالہاشم صوفی (۱۵۰م) کے لئے استعمال کیا گیا۔ کتاب اللمع، حلیۃ الاولیا، کتاب التعرف اور نفحات الانس کے مطابق سفیان ثوری (۱۶۱م) کا قول ہے کہ اگر میں ابوہاشم صوفی سے نہ ملا ہوتا تو میں ریاکاری کی حقیقت نہیں پاسکتا تھا۔ بقول سراج مولف کتاب ''اللمع فی التصوف'' لفظِ صوفی حسن بصری کے زمانے میں میں رائج تھا کہ حسن بصری (وفات ۱۱۰ھ) کا بیان ہے کہ کعبہ کے طواف کے دوران میں نے ایک صوفی کو دیکھا، اسے میں نے کچھ رقم دینا چاہی، اس نے لینے سے انکار کیا، اور کہا کہ میرے پاس چار دانگ ہیں، یہی کافی ہیں۔ سب سے قدیم کتاب جس میں لفظ صوفی استعمال ہوا ہے وہ کتاب ''البیان والتبیین'' تالیفِ جاحظ (وفات ۲۵۰ یا ۲۵۵) ہے''۔ (17)

محققین اور صوفیائے کرام کی ان شہادتوں سے معلوم ہوا کہ تابعین کے دور میں صوفی کی اصطلاح مخصوص حلقوں میں ضرور مشہور ہو گئی تھی۔ اگرچہ عام معاشرے میں اسے زیادہ شہرت نہیں ملی تھی۔ ش ہرت اسے کچھ عرصے بعد ملی۔ چنانچہ شیخ سہروردی لکھتے ہیں: ''کچھ لوگوں نے یہ کہا کہ یہ نام دو سو ہجری تک مشہور نہ ہو سکا۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں آپ کے اصحاب اپنے آدمی کو صحابی کے نام سے پکارتے تھے۔ کیونکہ اسے آپ کی صحبت میں رہنے کا شرف حاصل تھا۔ لہٰذا اس صحبت کی طرف اشارہ کرنا ہر اشارے سے بہتر تھا۔ آپ کے عہد مبارک کے بعد جو اہل علم ہوئے، وہ تابعی کہلانے لگے۔ مگر جب عہدِ رسالت کے بعد کافی عرصہ گذر گیا۔ اور آسمانی وحی اور نورِ مصطفوی کو پوشیدہ ہوئے ایک زمانہ گ زر گیا، تو اس وقت خیالات میں اختلاف ہونے لگا۔ اور لوگوں کے راستے جدا ہوگئے اور ہر اہلِ رائے اپنی رائے میں آزاد ہو گیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نفسانی خواہشات نے علمی فضا کو مکدر کر دیا یہاں تک کہ متقی اور پرہیز گاروں کی عمارتیں ہلنے لگیں اور زاہدوں کے عزائم بھی متزلزل ہونے لگے۔ جہالت کا غلبہ ہو گیا اور اس کے کثیف پردے دلوں پر چھاگئے۔ یہاں تک کہ اکثر لوگوں کو دنیا اور اس کی چیزیں خوشنما دکھائی دینے لگیں۔ ایسے زمانے میں مذکورہ بالا حالات کو دیکھتے ہوئے ایک جماعت دنیا سے الگ ہو کر نیک کاموں میں مشغول ہو گئی۔ ان کے عزائم میں خلوص اور دین کی طاقت تھی۔ انہوں نے دنیا اور اس کی محبت سے منہ موڑا اور تنہائی اور گوشہ نشینی کو غنیمت جانا۔ اپنی جماعت کے لئے کچھ زاویئے (گوشے) بنالئے۔ جہاں کبھی کبھی جمع ہو جاتے تھے۔ مگر اہلِ صُفہ کی تقلید کرتے ہوئے اکثر تنہا رہتے تھے، دنیاوی اسباب کو انہوں نے چھوڑ رکھا تھا، اور رب الارباب کی طرف لو لگائی تھی۔ ان بزرگانِ سلف سے ان کے جانشینوں نے یہ علم حاصل کیا۔ یہاں تک کہ ہر زمانے میں اس نے ایک باقاعدہ اور مستقل علم اور رسوم کی صورت اختیار کر لی۔ چنانچہ صوفی کا نام بھی ان میں رائج ہو گیا، ان لوگوں نے خود د بھی اپنا نام یہی رکھا اور اپنے حلقے کے دوسرے لوگوں کو بھی اسی نام سے موسوم کیا۔ ''(18)

خواجہ بندہ نواز لفظِ صوفی کا پس منظر بتاتے ہیں: ''لفظ صوفی ۲۰۰ ہجری کے کچھ پہلے مشہور ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد جس لقب سے اس زمانے کے افاضل یاد کئے جاتے تھے، وہ ''صحابہ'' تھا۔ کسی دوسرے لقب کی انہیں ضرورت نہ تھی، کیونکہ صحابیت سے بہتر کوئی فضیلت نہ تھی۔ عصرِ ثانی کے جن بزرگوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی صحبت اختیار کی، وہ اپنے زمانے میں

"تابعین" کہلائے اور تابعین کے فیض یافتہ حضرات اپنے زمانے میں 'اتباعِ تابعین' کے ممتاز لقب سے یاد کئے جاتے تھے۔اس کے بعد کا زمانہ رنگ بدلا اور لوگوں کے احوال و مراتب میں نمایاں فرق پیدا ہونے لگا، جس کی پیشین گوئی اس حدیث میں کی گئی ہے۔"

"ظهور الآيات بعد المأتين"۔جن خوش بختوں کی توجہ دینی امور کی جانب زیادہ تھی،ان کو زُہاد و عُباد کے ناموں سے یاد کی گیا۔کچھ ہی عرصہ بعد بدعات کا ظہور ہونے لگا اور ہر فریق نے اپنے زہد کا دعوی شروع کیا، زمانے کا یہ رنگ دیکھ کر خواص اہلِ سنت نے جو قلوب کو حق تعالی کی یاد سے غافل نہیں ہونے دیتے تھے اور اپنے نفوس کو خشیت الہی سے مغلوب رکھتے تھے، ابنائے زمانہ سے علی حدگی اختیار کر لیا اور انہی کو "صوفیہ" کے لقب سے یاد کیا جانے لگا۔"[19]

تصوف کا مفہوم:

تصوف کا مفہوم اور مطلب حقیقیت یہ کہ تحدیدا کسی ایک قول میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ہر دور کے صوفیائے کرام اور محققین نے اپنے اپنے انداز میں تصوف کا مفہوم و معنی بیان کیا ہے۔تاہم ان تمام اقوال کا جائزہ لیا جاے تو ان میں کوئی تضاد نہیں پایا جاتا۔بلکہ سب متقارب المعنی مفاہیم ہیں۔پروفیسر سلیم چشتی لکھتے ہیں، تصوف کا معنی صوفیائے کرام اپنی اصطلاح میں یوں کرتے ہیں: "اپنے باطن کا تزکیہ اور تصفیہ کرنا۔اپنے نفس کو نفسانی کدورتوں اور اخلاق رذیلہ سے پاک و صاف کر کے فضائل اخلاق سے آراستہ و پیراستہ کرنا۔"[20]

مولانا عبدالغفور عباسی مدنی اپنے وقت کے بڑے شیخ گزرے ہیں۔مولانا فضل سبحان عباسی نے ان کے روحانی جواہر پارے اور علمی افادات مستقل کتاب کی صورت میں جمع کئے ہیں۔اس میں مولانا عبدالغفور عباسی مرحوم تصوف کی تعریف اور غرض، موضوع اور غرض وغایت یوں بیان فرماتے ہیں: "التصوف هو علم يعرف به احوال تزكية النفوس وتصفية الاخلاق وتعمير الظاهر والباطن ونيل السعادة الابدية" "تصوف وہ علم ہے جس سے معلوم ہوتے ہیں احوال تزکیہ نفوس وتصفیہ اخلاق کے اور ظاہر و باطن کی تعمیر کے احوال اور ابدی سعادت کے حصول کے احوال۔"وموضوعه التزكية ولتصفية والتعمير المذكور" اور اس کا موضوع وہی مذکورہ تزکیہ نفس، تصفیہ اخلاق اور تعمیر ظاہر و باطن ہے۔"وغايته السعادة الابدية" اور اس کی غایت وغرض ابدی سعادت حاصل کرنا ہے"۔[21]

علامہ جرجانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "التصوف هو الوقوف مع الآداب الشرعية ظاهرا، فيرى حكمها من الظاهر في الباطن، وباطنا فيرى حكمها من الباطن في الظاهر، فيحصل للمتأدب بالحكمين كمال. وقيل مذهب كله جد، فلا يخلطونه بشيء من الهزل. وقيل تصفية القلب عن موافقة البرية ومفارقة الأخلاق الطبيعية وإخماد صفات البشرية ومجانبة الدعاوى النفسانية ومنازلة الصفات الروحانية والتعلق بعلوم الحقيقة واستعمال ما هو أولى على السرمدية والنصح لجميع الأمة والوفاء لله تعالى على الحقيقة واتباع رسول الله صلى الله عليه وسلم في الشريعة. وقيل ترك

الاختيار. وقيل الإعراض من الاعتراض . وقيل هو صفاء المعاملة مع الله تعالى. وأصله التفرغ عن الدنيا"۔[22] "تصوف کا مطلب ہے ظاہری طور پر شرعی آداب کو اس طرح اختیار کرنا کہ باطن پر بھی اس کا اثر پڑے، اور باطنی طور پر اختیار کرنا یوں کہ ظاہر بھی اس سے متاثر ہو۔ اس طرح متادب کو دونوں میں کمال حاصل ہو جاتا ہے۔ ایک قول یہ ہے تصوف پورا کا پورا حق وراستی ہے اس میں ذرہ برابر غیر سنجیدگی اور بیہودگی کی آمیزش نہیں اور ایک قول یہ ہے کہ تصوف کا مطلب ہے دل کو نفسانی اور طبیعی اخلاق سے دور اور پاک کرنا اور اپنے اندر روحانی صفات پیدا کرنا، خود کو حقیقی علوم سے آراستہ کرنا اور پوری امت کے لئے خیر خواہی کا جذبہ رکھنا اور اللہ تعالی کے تمام احکام پورا کرنا، شریعت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنا۔ ایک قول ہے کہ تصوف اپنے اختیار کو ترک کرنے کا نام ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اعتراض سے اعراض تصوف ہے۔ ایک قول ہے کہ ہے تصوف نام ہے اللہ تعالی کے ساتھ اپنا معاملہ صاف رکھنا۔ یعنی دنیا سے مکمل خود کو فارغ کرلینا۔ ان تعریفات کی روشنی میں صوفیاء ایسے لوگوں کو کہا جاتا ہے جو اپنے ظاہر سے زیادہ اپنے باطن کے تزکیہ اور تصفیہ کی طرف توجہ دیتے ہیں اور دوسروں کو بھی اسی کی دعوت دیتے ہیں۔"

تاہم "اب لفظ صوفیا، اپنے لغوی معنی (اون کا لباس پہننے والے) میں استعمال نہیں ہوتا، بلکہ ایسے لوگوں کے لیے استعمال ہوتا ہے جو اپنے اندر کے تزکیہ و تطہیر کی طرف توجہ دیتے ہیں۔ اور اب یہ لفظ ایسے ہی لوگوں کے لیے لقب کی صورت اختیار کر چکا ہے۔ چونکہ ابتدا میں ایسے لوگوں کا اکثر لباس صوف (اون) ہی ہوتا تھا، اس وجہ سے ان کا یہ نام پڑ گیا، اگرچہ بعد میں ان کا یہ لباس نہ رہا"۔[23]

خواجہ بندہ نواز صوفی کی تعریف کرتے ہوے فرماتے ہیں: "صوفی تصوف کی اصطلاح میں وہ شخص ہے جو "فانی از خویش وباقی بحق ہو" اپنی قیومیت ذاتیہ سے فانی اور حق تعالی کی قیومیت سے باقی ہو۔ "متسخلص از طبع ومتصل بحقیقۃ الحائق ہو"۔[24] صوفیائے کرام اور تصوف کے بارے میں انہوں نے دیگر محققینِ صوفیائے کرام کے اقوال نقل فرماتے ہیں: "جنید اور تستری کا قول ہے کہ صوفیہ وہ لوگ ہیں جو قائم بحق ہیں۔ اس طرح کہ خدا کے سوا انہیں کوئی دوسرا ہیں جانتا۔ کہا گیا کہ تصوف کا اول علم ہے، اس کا اوسط عمل ہے، اور اس کا آخر موہبت من اللہ ہے۔ جنید فرماتے ہیں تصوف ترک اختیار ہے۔ شبلی کا قول ہے ہے کہ تصوف حفظِ حواس و مراعاتِ انفاس کا نام ہے۔ اسی طرح کہا جاتا ہے کہ تصوف طلبِ مقصود میں بذلِ مجہود ہے، انس بمعبود ہے، ترکِ اشتغال بمفقود ہے۔ صوفیہ کے متعلق کہا گیا ہے: الذي صفا من الكدر وامتلأ من الفكر وانقطع إلى االه من البشر استوى عند الذهب والمدر والحرير والوبر یعنی صوفیہ وہ ہیں کہ جو کدورت سے پاک، فکر سے مملو، خلق سے کٹ کر حق سے متصل ہو گیا ہو، اور جس کے نزدیک سونا اور ڈھیلا، ریشم اور بال برابر ہیں"۔[25]

شیخ قشیری رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "یہ نام صوفیوں کے گروہ پر غالب آگیا۔ چنانچہ ایک آدمی کے لئے کہا جاتا ہے "رجل صوفی" اور جماعت کے لئے 'صوفیۃ'۔ اور اس شخص کو جو اس جماعت سے اپنے آپ کو ملانا چاہتا ہے، اسے 'متصوف' کہتے ہیں۔ (صوفی نہیں کہا جاتا) ور جماعت کے لئے 'متصوفۃ' کا لفظ استعمال ہوتا ہے"۔[26]

شیخ ابوالنصر سراج نے تصوف کے موضوع پر اولیں کتاب "کتاب اللمع" میں صوفیائے کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے: "صوفیائے کرام کی تعریف کیا ہے اور وہ کون لوگ ہیں؟ اس سوال کا جواب عبدالواحد بن زید یوں دیتے ہیں کہ صوفیہ وہ ہیں جو اپنی عقلوں اور قلوب کو مصائب وآلام کے باوجود ثابت قدم رکھتے ہیں اور نفس کے ہر شعلہ شر انگیز کو مرشد کامل کی اتباع سے سرد کر دیتے ہیں۔ ذوالنون مصری کہتے ہیں کہ جسے طلب تھکانہ سکے اور سلب بے قرار نہ کرے، وہ صوفی ہے۔ اور صوفیہ ان لوگوں کا طائفہ ہے جنہوں نے ہر شے پر اللہ ہی کو غالب جانا۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ نے انہیں ہر چیز پر غلبہ دیا۔"

ایک صوفی سے کسی نے پوچھا کہ کس کی صحبت میں بیٹھوں؟ انہوں نے کہا کہ صوفیہ کی صحبت اختیار کرو، کیونکہ وہ قبیح چیزوں سے بچنے کے طریقے جانتے ہیں۔ ان کی صحبت تمہیں اس قدر بلند کر دے گی کہ خود پر ناز کرے گا۔ جنید بن محمد کا قول ہے کہ صوفیہ اللہ کے پسندیدہ بندے ہیں، جب چاہتا ہے انہیں ظاہر کر دیتا ہے اور جب چاہتا ہے پوشیدہ کر دیتا ہے۔۔ ابوالحسین نوری کہتے ہیں صوفی وہ ہے جو سماع سنتا ہے اور اسباب کو تابع کر لیتا ہے۔ اہل شام صوفیہ کو فقراء کے نام سے پکارتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اللہ نے بھی قرآن میں صوفیہ کو فقراء کے نام سے ہی پکارا ہے: "لِلْفُقَرَاءِ الَّذِينَ أُحْصِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ (سورۃ البقرۃ: ۲۷۳)" ان فقیروں کے لئے جو راہ خدا میں روکے گئے"۔ ابو عبداللہ احمد بن محمد صوفی کی تعریف بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہم تعریف صوفی کو شرط علم سے مشروط نہیں کرتے بلکہ صوفی وہ ہے جو اسباب سے بے نیاز ہو کر اللہ کے ہاں قریب ترین مقام پر فائز اور اللہ کی جانب ہر مقام کو جاننے کی نعمت سے بہرہ ور ہوتا ہے۔

صوفیہ کی ایک رائے یہ بھی ہے کہ "بندہ عبودیت میں ثابت قدم ہو جانے اور اللہ کی جانب صفائے قلب پالینے کے بعد حقیقت سے آگہی حاصل کرتا ہے اور احکام شریعت سے قریب تر ہو جاتا ہے۔ یعنی صفائے باطن کے حصول کے بعد ہی کوئی بندہ صوفی بنتا ہے"۔ اگر کوئی آپ سے صوفی کی تعریف دریافت کرے تو یہی جواب ہے کہ معرفت الٰہی سے بہرہ ور اپنے رب کے احکامات پر ثابت قدمی سے عمل پیرا، کسی چیز کو یقین کی حد تک پہچان لینے کے بعد تسلیم کرنے والے اور اپنے مقصود کے حصول میں خود کو گم کر دینے والے کو صوفی کہتے ہیں۔"(27)

تصوف کی حقیقت: پروفیسر عبدالباری ندوی نے مولانا اشرف علی تھانوی مرحوم کی تصوف کے بارے میں ایک عبارت نقل کی ہیں: "اس بناپر طالب ولایت کے لئے دو چیزیں ضروری ہیں۔ ایک عقائد واعمال کی تصحیح دوسرے اصلاح باطن۔ عقائد واعمال۔ اب سمجھئے اصلاح باطن کیا ہے۔ باطن کے محمود ومذموم دو قسم کے اوصاف ہو سکتے ہیں۔ لہذا اصلاح باطن کی حقیقت یہ ہے کہ اوصاف حمیدہ کو پیدا کیا جائے اور مذمومہ کو دور کیا جائے۔ پہلے کو تحلیہ اور دوسرے کو تخلیہ وتجلیہ کہتے ہیں۔ حدیث شریف میں اس کا ذکر بہت مختصر وجامع الفاظ میں اس طرح فرمایا گیا ہے "ألا إن في الجسد مضغة، إذا صلحت صلح الجسد كله، و إذا فسدت، فسد الجسد كله، ألا و هي القلب" یعنی خوب سمجھ لو کہ کہ آدمی کے بدن میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے جب وہ درست ہو جاتا ہے تو تمام بدن درست ہو جاتا ہے اور جب وہ بگڑتا ہے تو تمام بدن بگڑتا ہے اور سن لو کہ وہ دل ہے'۔(28)

انہوں نے تھانوی مرحوم کی ایک اور عبارت نقل کی ہے جس میں تصوف کی غرض وغایت پر روشنی پڑتی ہے: "ولایت کے حاصل کرنے کے اس طریق کا نام تصوف ہو گیا ہے۔ اور دل کی درستی یعنی اوصاف حمیدہ کے پیدا اور ذمیمہ کے فنا کرنے کو اصطلاح صوفیہ میں مقامات کہا جاتا ہے اور چونکہ سن اوصاف حمیدہ کے حصول اور ذمیمہ کے ازالے کا حضرت شارع علیہ السلام نے صاف صاف امر فرمایا ہے لہذا یہ کہنے کی گنجائش نہیں کہ شارع نے تصوف کی تعلیم نہیں دی۔"[29] حبیب النسا بیگم لکھتی ہیں: "عموماً ہر مذہب میں ایسا ا گروہ موجود ہوتا ہے، جس کا نصب العین محض یادِ خدا اور پاکیزگیٔ اخلاق ہوتا ہے۔

احکام الٰہی کی پابندی اور ممنوعات سے بچنا اور تزکیہ قلب اس کی لازمی شرطیں ہیں۔ متصوفین کا عقیدہ ہے کہ خدا کی سچی محبت اور طلب دل پر اتنی غالب ہو جانی چاہئے کہ ماسوی اللہ سے دل بے نیاز ہو جائے اور دینا کے نفع اور ضرر کا اندیشہ سالک کے دل سے حرف غلط کی مٹ جائے۔"[30]

تصوف کی تشریح و تعبیرات:

مولانا عبد الباری ندوی انگریزی فلسفے کا ایک شہرہ آفاق نام ہے۔ انڈو پاک میں وہ اپنی علمی اور فلسفیانہ تحریرات کے سبب بہت پڑھے جاتے ہیں۔ انہوں نے آخر عمر میں تصوف کی طرف توجہ دی تھی اور اس موضوع پر انہوں نے وقیع کام کیا۔ وہ اپنی معروف کتاب 'تجدید تصوف و سلوک' میں فقہ کی غرض وغایت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "غرض تصوف یا علم باطن کی حقیقیت جس کو خدا جانے لوگوں نے کیا کیا، دور از کار ضال و مضل معنی پنہار کھے ہیں، صرف یہ ہے کہ وہ ظاہر جسم یا جوارح کے اعمال واحکام، اوامر ونواہی اور ان کے صلاح و فساد کی فقہ کے بجائے نام ہے قلب و باطن کے اوامر ونواہی اور اس کی اصلاح و فساد کی فقہ کا، جس کے احکام کتاب و سنت دونوں میں اسی طرح منصوص ہیں۔

جس طرح فقہ ظاہر کے، اور جس کی اہمیت اور اقدمیت قرآن وحدیث ہی کے اشارات و تصریحات سے ثابت ہیں۔ کما قال اللہ تعالی: یوم لاینفع مال و لابنونالا من اتی اللہ بقلب سلیم اور حدیث میں اس کی شرح و تفسیر یوں فرمائی گئی ہے کہ خوب سمجھ لو کہ بدن کے اندر ایک لو تھڑا ہے، اگر وہ سنورا اور بنا تو سارا بدن سنور جاتا ہے اور اگر وہ بگڑا تو سارا بدن بگڑ جاتا ہے اور خوب سمجھ لو کہ وہ قلب ہے۔ یعنی ظاہر جسم کے اعمال وافعال کا بناو بگاڑ تمام تر اسی باطن قلب کے بناو بگاڑ پر موقوف ہے، اور تصوف یا فقہ باطن کا موضوع بحث اسی قلب کا بناو سنوار، اسی کی سلامتی وصحت کی حفاظت، اور اسی کے بگاڑ یا فساد و بیماری کا علاج ہے۔"[31]

مولانا اشرف علی تھانوی برصغیر میں تصوف کے مجددین میں شمار ہوتے ہیں۔ انہوں نے ایک مقام پر تصوف کی غایت پر گفتگو کرتے ہوے فرمایا: "خلاصہ یہ کہ تصوف کے بغیر کام نہیں چل سکتا۔ کیونکہ سب سے اول چیز تصوف میں تواضع ہی کی تعلیم ہے، جس کو اصطلاح میں فنا کہتے ہیں۔ عموماً تو تصوف میں یہ سب سے آخر مقام سمجھا جاتا ہے، لیکن در حقیقت سب سے اول مقام بھی فنا ہی ہے، اور سب آخر مقام بھی فنا ہی ہے، کیونکہ فنا کے درجات ہیں، باقی بدون فنا کے تو اس طریق میں کوئی ایک قدم بھی نہیں چل سکتا۔ خواہ لاکھ

درود، وظیفے پڑھے، لاکھ تسبیحات پھیرے۔"[32] عالم عرب و عجم میں اپنے حدیثی کارناموں کے سبب معروف شخصیت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی اپنی مشہور کتاب "شریعت و طریقت کا تلازم" میں تصوف کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضور قدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال فرمایا کہ احسان کیا چیز ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ ان تعبداللہ کأنك تراہ (الحدیث) اللہ تعالی کی عبادت اس طرح کرو جیسے اس کو دیکھ رہے ہو۔ طریقت دراصل اس 'احسان' کا نام ہے یا تحصیلِ صفتِ احسان کا طریقہ ہے۔ اسی کو تصوف اور سلوک کہتے ہیں۔ یا جو چاہے نام رکھ دیا جائے۔ یہ سب تعبیرات ہیں۔"[33]

تصوف کے حوالے سے مذکورہ گفتگو جس کی تعبیرات و تشریحات کے اہل علم و صوفی بیان کرتے ہیں۔ یہی تعبیرات و تشریحات دین اسلام سے بھی مربوط و مشروط نظر آتی ہے؟ کیونکہ تصوف یا سلوک کا عمل درحقیقت انسان میں اخلاص اور یقین پیدا کرتا ہے۔ یہ مذہب سے الگ کوئی فن نہیں، بلکہ مذہب اور شریعت کی روح اور مغز ہے۔ جس طرح انسانی جسم بغیر روح کے لاشہ ہے اسی طرح عبادت، اخلاص کے بغیر بے قیمت اور بے وقعت ہے۔ تصوف انسان کے قلب و دماغ میں خدا کی محبت اجاگر کرتا ہے۔ اسے حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی کا پابند بناتا ہے۔ ""انبیائے کرام کی بعثت کا مقصد پورا کرنے کے لئے اور ان کی برکات پہنچانے کے لئے تزکیہ بھی اتنا ہی ضروری کام ہے، جتنی کتاب و حکمت کی تعلیمیوں سمجھنا چاہئے کہ یہ تعلیم ہے اور وہ تربیت، اور تکمیل انسانیت کے لئے دونوں کی ضرورت ہے۔

اعلی تعلیم کے باوجود تزکئے کی کمی اس طرح محسوس ہوتی ہے، جس طرح کھانے میں نمک کی کمی، اور دونوں کے نتائج میں وہی فرق ہے جو اکبر مرحوم نے بیان کیا ہے۔

زباں گو صاف ہو جاتی ہے، دل طاہر نہیں ہوتا

اہل دل نے ہمیشہ یہ ضرورت پوری کی اور امت کی اصلاح اور دین کی خدمت میں علما کا اچھی طرح ہاتھ بٹھایا۔ دونوں نے مل کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل نیابت کا فرض انجام دیا۔ علما ظاہر سے اگر لوگوں کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مرضی، اس کی خوشی و ناخوشی کا حال اور شریعت کے احکام کا علم ہوا، تو ان بزرگوں سے حقائق شرعیہ اور احکام الہیہ کا علم اور احکام پر عمل کرنے کا شوق ولولہ، مسابقت کا جذبہ، قلب میں تازگی و رقت، روح میں بالیدگی، طاعات میں سہولت و اخلاص، تہذیب نفس اور طہارت اخلاق حاصل ہوئی، جن کو نصوصِ قرآن و حدیث میں لفظ 'احسان' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ بعد میں اسی تزکیہ واحسان کو لوگوں نے تصوف، طریقت، علم باطن، سلوک، مختلف ناموں سے یاد کرنا شروع کیا۔"[34] مولانا عبدالماجد دریاآبادی لکھتے ہیں: ""اس گروہ کے اکابر قدیم پہلے مسلمان تھے، پھر صوفی، وہ تصوف کو اسلام کے مقابل ایک جداگانہ مسلک کی حیثیت سے نہیں لاتے تھے، بلکہ اسلام کے ماتحت اسی کی پاکیزہ ترین صورت کہتے تھے۔ وہ اپنے اسلام کو، اپنے تصوف پر مقدم رکھتے تھے اور تصوف کو محض اس لئے عزیز و مقدم رکھتے تھے کہ وہ ان کی نظر میں اسلام کی خالص ترین و پاکیزہ ترین تعبیر تھی۔ ان حضرات کے نزدیک تصوف کا مفہوم محض اس قدر تھا کہ اتباع

کتاب وسنت میں انتہائی سعی کی جائے۔ اسوہ رسول ﷺ کو دلیلِ راہ رکھا جائے، اوامر ونواہی کی تعمیل کی جائے، طاعات وعبادات کو مقصودِ حیات سمجھا جائے۔ قلب کو محبت و تعلقِ ماسوا سے الگ کیا جائے۔ نفس کو خشیتِ الٰہی سے مغلوب کیا جائے اور ص اف معاملات وتزکیہ باطن میں جہد وسعی کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ ہونے پائے "[35]

تصوف قرآن وسنت کے آئینے میں: مسلمانوں کے درمیان ایک ایسا گروہ بھی پایا جاتا ہے جس کا دعوی ہے کہ تصوف اسلام کے ساتھ ہم آہنگ نہیں ہے۔ ان کا ماننا ہے کہ تصوف رہبانیت کی طرح ہے، وہ رہبانیت جسے عیسائیوں نے اپنایا۔ لیکن قرآن مجید کی مختلف آیات کے مطالعہ سے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ تصوف قرآن کے بنیادی اصولوں پر مبنی ہے اور یہ اسلام کا ایک حصہ ہے۔ ذیل کی سطروں میں ہم قرآن وسنت کی روشنی میں تصوف پر اجمالی روشنی ڈالیں گے۔ اجمال کے بعد الگ سے تفصیلی جائزہ بھی پیش کریں گے۔ اس اجمالی جائزے میں تصوف کی وہ تعلیمات پیش کی گئی ہیں، جو تمام صوفیائے کرام کے ہاں متفق علیہ باور کی جاتی ہیں اور وہ حضرات ان کی پر زور تلقین کرتے ہیں، مثلا تصوف کی جن تعلمات کی صوفیائے کرام تلقین کرتے ہیں۔

حسن نیت: صوفیائے کرام تصوف کے سالکین کو سب سے پہلا سبق جو بھرپور تاکید سے دیتے ہیں، وہ تصحیح نیت ہے۔ ان کے ہاں نیت پر تمام اعمال کا دارومدار ہے۔ اسلام بھی اسی کی تعلیم دیتا ہے۔ چنانچہ حدیث میں : " انما الاعمال بالنیات"[36] تمام اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔

نیت، ارادہ، قصد۔ یہ تین الفاظ ایک ہی معنی کے لئے بولے جاتے ہیں، ہر عمل یعنی ہر اختیاری حرکت وسکون، تین چیزوں سے پورے ہوتے ہیں، علم، ارادہ اور قدرت۔ انسان اسی چیز کا ارادہ کرتا ہے جس کا اسے علم ہو، اسی طرح کسی چیز پر علم نہیں کر سکتا جب تک اسے اس کا علم نہ ہو۔

توبہ: توبہ کو صوفیائے کرام سلوک وتصوف کی راہ کی کلید باور کراتے ہیں، کہ توبے کے بغیر اور اپنے گناہوں کی مغفرت کروائے اور ان کی نحوست سے دامن کو صاف کروائے بغیر راہ طریقت کا سالک ایک قدم آگے نہیں بڑھ سکتا۔ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر مسلمانوں کو توبہ واستغفار کا حکم دیا گیا ہے۔ مثلا: "وَتُوبُوا إِلَى اللَّهِ جَمِيعاً أَيُّهَا الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ"۔[37] اے مومنو تم سب مل کر اللہ سے توبہ کرو، توقع ہے کہ فلاح پاؤگے۔" اسی طرح "يا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا تُوبُوا إِلَى اللَّهِ تَوْبَةً نَصُوحاً"[38] اے ایمان والو اللہ سے توبہ کرو، صاف دل کی توبہ۔ مزید بتایا کہ استغفار کا حکم بھی متعدد مقامات پر دیا گیا ہے: "وَاسْتَغْفِرُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيم"[39] اور اللہ سے مغفرت طلب کرو۔ بے شک اللہ بہت بخشنے والا بڑا مہربان ہے۔ اسی طرح احایث مبارکہ میں بکثرت توبہ واستغفار کا حکم دیا گیا ہے۔ امام نووی نے ریاض الصالحین میں لکھا ہے : "کہ توبہ کرنا واجب ہے۔ اگر توبہ اللہ اور بندے کے درمیان ہو اور اس سے کسی دوسرے انسان کا حق متعلق نہ ہو، تو توبہ کی تین شرطیں ہیں: ایک یہ کہ اس معصیت کو اس وقت ترک کردے۔ دوسرے یہ کہ اس پر نادم ہو۔ تیسرے یہ کہ پختہ عزم کرے کہ پھر کبھی اس گناہ میں مبتلا نہیں

ہوگا۔ان میں سے ایک شرط بھی پوری نہ ہوئی تو توبہ صحیح نہ ہوگی"[40] ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:"یا أیها الناس توبوا إلی الله فإني أتوب في الیوم إلیه مائة مرة"[41] اے لوگو اللہ سے توبہ کرو، کیونکہ میں ہر روز سو بار توبہ کرتا ہوں۔توبۃ النصوح یعنی صدق دل سے توبہ کرنے کی فضیلت پر صوفیائے کرام نے اپنی کتب میں بیسیوں آیات واحادیث نقل کی ہیں۔ان کے ہاں اللہ تعالی کے نزدیک مقام بلند پانے کا اکسیر نسخہ توبہ وانابت الی اللہ ہی ہے۔قرآن مجید کی آیت ہے:"إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ"[42] بے شک اللہ تعالی توبہ کرنے والوں اور پاکیزگی اختیار کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

صبر:صوفیائے کرام کے ہاں صبر ایسی کیفیت کو کیفیت ہیں ،جو نفسانی خواہشات پر چلنے اور شیطانی مطالبات کو ماننے سے روک دیتی ہے۔صبر کی فضیلت پر بکثرت احادیث وارد ہیں اور قرآن مجید میں بھی صبر کی تلقین ملتی ہے۔جن میں صبر کے زبردست ثمرات ونتائج کی اللہ تعالی نے انسان کو نوید دی ہے،مثلا:"وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوا وَكَانُوا بِآيَاتِنَا يُوقِنُونَ"[43] اور جب انہوں نے صبر کیا اور ہماری آیات پر یقین لاتے رہے تو ان کے اندر ہم نے ایسے پیشوا پیدا کئے جو ہمارے حکم سے رہنمائی کرتے تھے اور وہ ہماری آیتوں پر یقین رکھتے تھے۔

استقامت:استقامت بھی صوفیائے کرام کے ہاں راہ سلوک کے مسافر کے لئے ایک اہم رکن ہے۔اور اس سلسلے میں ان کے نزدیک قرآن کی یہ آیت اصل ہے:"ان الذین قالوا ربنا الله ثم استقاموا"[44]"بے شک وہ لوگ جنہوں نے کہا اللہ ہمارا رب ہے پھر اس پر جمے رہے۔"متصوفین کہتے ہیں کہ "ثم استقاموا" کا معنی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اس طرح بیان کرتے ہیں:انہوں نے شرک نہیں کیا اور یہ اصول توحید کی رعایت ہے"۔

شکر:اپنے منعم ومحسن کی طرف سے ملنے والے انعام واحسان پر اس کی ثناخوانی کرنا، مدح سرائی کرنا شکر کہلاتا ہے،اس کا اظہار زبان اور اعضاوجوارح دونوں سے ہوتا ہے۔چونکہ اس کائنات کی ہر نعمت کا منعم حقیقی اللہ تعالی کی ذات ستودہ صفات ہے،اس لئے اس کا شکر بجا لانا ہر انسان پر واجب ہے۔اور اللہ تعالی کی نعمتیں چونکہ لاتعد ولا تحصی (بے حساب) ہیں تو اس لئے اس کے بندوں پر اس حساب سے بے شمار شکر بھی واجب ہوتے ہیں۔مگر شکر کرنے والے بندے بہت کم ہیں۔اس لئے قرآن کریم میں شکوے کے پیرائے میں فرمایا گیا: "وقلیل من عبادی الشکور"[45] اور میرے بہت شکر گزار بندے کم ہیں"۔اس لئے صوفیائے کرام صبر کے ساتھ شکر کی تلقین کرتے ہیں۔کہ شکر اللہ کی نعمتوں میں اضافے کا سبب ہے۔یہ قرآن کا وعدہ بھی ہے۔لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ[46] گر تم شکر کروگے تو میں تمہیں ضرور اور بڑھا کردوں گا۔

دعا:صوفیائے کرام کے ہاں دعاوں کا بھی بہت اہتمام کیا جاتا ہے۔دعا دین کا خلاصہ اور مغز ہے۔اس لئے کہ اس میں اللہ تعالی کے ساتھ مناجات اور گفتگو بہ غایت عاجزی وتضرع ہوتی ہے،اور یہی تضرع اور تذلل اور آہ وبکا بندگی اور عبدیت ہے۔اس لئے دعا کو حدیث نے مخ العبادہ کہا ہے"[47] اور قرآن مجید کی آیت ہے:" وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِينَ

يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ داخِرِينَ"[48] "اور تمہارے پروردگار نے فرمایا ہے کہ مجھ کو پکارو میں تمہاری درخواست قبول کرلونگا۔ جو لوگ میری عبادت سے سرتابی کرتے ہیں وہ عنقریب ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے "۔

حسن خلق: ''تصوف میں حُسن خلق کو بھی بے پناہ اہمیت حاصل ہے اور ممتاز صوفیہ کرام نے اپنی کتب میں حُسن اخلاق پر باقاعدہ عنوان باندھ کر اس کے تحت قرآن وحدیث اور علمائے کرام کے اقوال بیان کئے ہیں۔ اسی طرح قرآن مجید میں حُسن خلق کا ذکر ہوا ہے "وَإِنَّكَ لَعَلى خُلُقٍ عَظِيمٍ"[49] اور بے شک آپ اخلاق (حسنہ) کے اعلی معیار پر ہیں۔ ایک آیت میں ہے: خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجاهِلِينَ[50] اے نبی، نرمی ودر گزر کا طریقہ اختیار کرو، معروف کی تلقین کئے جاو، اور جاہلوں سے نہ الجھو۔ ایک اور آیت میں فرمایا "وَالْكاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعافِينَ عَنِ النَّاسِ"[51] جو غصے کو پی جاتے ہیں اور دوسرے کے قصور معاف کردیتے ہیں''۔

اللہ تعالیٰ کی محبت: صوفیاء حضرات اپنی تعلیمات میں سب سے زیادہ جس چیز پر زور دیتے ہیں وہ عشق ومحبتِ خداوندی ہے، کیونکہ محبت ہی ایک ایسی چیز ہے جو محب کو اپنے محبوب کی اطاعت پر مجبور کرتی ہے اور اس کی نافرمانی سے روکتی ہے اور محب کے دل میں محبوب کی رضا کی خاطر ہر مصیبت وتکلیف کو خندہ پیشانی سے برداشت کرنے کی قوت وصلاحیت پیدا کرتی ہے، اور محبت ہی وہ چیز ہے جو محب کو مجبور کرتی ہے کہ وہ ایسا عمل کرے جس سے محبوب راضی ہو اور ہر اس عمل وکردار سے باز رہے جس سے محبوب ناراض ہو۔

سول اللہ ﷺ کی اطاع: مسلمان صوفیاً حضرات کے نزدیک رسول اللہ اکی اطاعت اور اُن کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کیے بغیر معرفتِ خداوندی اور نجات کا حصول ناممکن ہے، چنانچہ امام ربانی شیخ احمد سرہندیؒ ایک مکتوب میں لکھتے ہیں: "اس نعمتِ عظمیٰ یعنی معرفت خداوندی تک پہنچنا سید الاولین والآخرین کی اتباع سے وابستہ ہے، آپ اکی اتباع کیے بغیر فلاح ونجات ناممکن ہے "۔

تصوف کیا ہے؟ مذہب کی روح ہے۔ اس نکتے کو سمجھنے کے لئے اس بات پر غور کرنا ضروری ہے کہ مذہب دراصل یعنی اپنی حقیقیت کے لحاظ سے، زندہ خدا کے ساتھ زندہ رابطہ پیدا کرنے کا نام ہے۔ ارکان، شعائر، مناسک، رسوم، قواعد، ظواہر یعنی احکام شرع یہ سب اس رابطے کے حصول کے ذرائع ہیں، باالفاظ صحیح تر یہ سب مقص ﷺ د بالعرض ہیں نہ کہ مقص ﷺ د بالذات۔ اگر مقصود بالذات (ربط یا تعلق مع اللہ) پیش نظر ہے تو یہ سب مفید بھی ہیں اور ضروری بھی۔ لیکن اگر کوئی شخص وسائ ل ہی کو مقص د ﷺ بنائے تو وہ شخص کبھی اپنے مقصود حقیقی کو حاص ل نہیں کر سکتا۔ تصوف ہی وہ رہنما، مشیر اور ناصح ہے جو ہر وقت انسان (سالک) کو تلقین کرتا رہتا ہے کہ دیکھنا، کہیں مقصود نگاہ سے اوجھل نہ ہو جائے۔ گویا کہ انسان کا مقصود حقیقی اللہ سے رابطہ یا تعلق پیدا کرنا ہے۔ م ذکورہ بالا بحث سے مندرجہ ذیل نتائج اخذ ہوتے ہیں:

خلاصہ/نتائج 1:۔ تصوف'' عشق اور محبتِ خداوندی کا درس دیتا ہے۔

۲:۔ تصوف'' اطاعتِ رسول(ا) پر ابھارتا ہے اور ''تصوف'' کی نظر میں اطاعتِ رسول(ا) کے بغیر خدا کی رضا کا حصول ناممکن ہے۔
۳:۔ تصوف'' اپنے آپ کو فضائلِ اخلاق سے مزین کرنے اور رذائلِ اخلاق سے پاک کرنے کا درس دیتا ہے۔
۴:۔ تصوف''، خلقِ خدا کی محبت اور اس کی خدمت کی تلقین کرتا ہے اور مخلوق کی کمی کوتاہیوں سے درگزر کرنے اور ان سے حسنِ خلق رکھنے کا سبق دیتا ہے اور صوفیاؒ کی نظر میں خلق آزاری سے بڑا کوئی گناہ نہیں۔
۵:۔ تصوف'' دوست اور دشمن، اپنے اور پرائے کے فرق کے بغیر سب کے ساتھ رواداری اور برداشت کا درس دیتا ہے۔
۶:۔ اسلامی تصوف'' دراصل قرآن وسنت کا نچوڑ اور اسلامی تعلیمات کی روح اور اس کی عملی صورت کا نام ہے۔

حقیقت یہ کہ ہمارے معاشرے کو اس وقت سب سے زیادہ ضرورت علم تصوف کی ہے۔ اگر ہم تشدد، انتہاپسندی، عدم برداشت اور فتنہ پروری (جس سے اس وقت پوری دنیا دوچار ہے) کو ختم کرنا چاہتے ہیں تو اس کے لئے سب سے موثر اور دیرپا ہتھیار تصوف اور خانقاہی نظام ہے۔ اگر ہم دنیا میں برداشت، امن، باہمی رواداری، انسانیت سے محبت جیسے بہترین جذبات کو عام کرنا چاہتے ہیں تو ہمارے پاس صوفی ازم کو فروغ دیئے بغیر کوئی چارہ کار نہیں کہ انتہاپسندی اور تشدد و نفرت کا جو علاج صوفی ازم میں ہے وہ کہیں اور نہیں۔

حوالہ جات

(1)۔ صحیح بخاری، کتاب العلم، باب فضل من استبر الدینہ، رقم: 53، نیز دیکھئے، صحیح مسلم، باب اخذ الحلال وترک الشبہات رقم: 1598۔

(2)۔ تقی الدین، ابوالعباس احمد بن عبدالحلیم بن تیمیہ حرانی۔ مجموع الفتاوی، ج، 11، ص 195۔

(3)۔ ہجویری، ابوالحسن سید علی بن عثمان، کشف المحجوب، اردو ترجمہ: عبدالرحمان طارق، ص 416۔

(4)۔ عبدالکریم بن ہوازن قشیری، ابوالقاسم، رسالہ قشیریہ، مترجم: ڈاکٹر پیر محمد حسن، ص 509۔

(5)۔ عمر بن محمد شہاب الدین سہروری، عوارف المعارف، مترجم: سید رشید احمد ارشد، ص 97۔

(6)۔ عمر بن محمد شہاب الدین سہروری۔ عوارف المعارف، مترجم: سید رشید احمد ارشد، ص 100۔

(7)۔ محمد اقبال، ڈاکٹر، تاریخ تصوف، مرتب: صابر کلوروی، ص 53۔

(8)۔ عبیداللہ فراہی، ڈاکٹر، تصوف ایک تجزیاتی مطالعہ، ص 11 تا 12۔

(9)۔ ایضاً، محولہ بالا۔

(10)۔ زکی مبارک، ڈاکٹر، التصوف الاسلامی فی الادب والاخلاق، ج 1، ص 49 تا 50۔

(11)۔ امام ابن جوزی نے اس کے علاوہ اور روایات بھی 'تلبیس ابلیس' میں ذکر کی ہیں۔ تفصیل کے لئے ان کی کتاب کی طرف رجوع کیا جائے۔ ابن جوزی، جمال الدین، عبدالرحمان بن علی، ابوالفرج، تلبیس ابلیس، ج 1، ص 145۔

(12)۔ زکی مبارک، ڈاکٹر، التصوف الاسلامی فی الادب والاخلاق، محولہ بالا، ج 1، ص 52۔

(13)۔ محمدعبدالله بن أسعد اليافعي، أبومحمد، نشر المحاسن الغالية في فضل المشائخ الصوفية، ص 398۔

(14)۔ ایضاً، ص398۔(15)۔ عبدالرحمان بن عبدالسلام ،نزہۃ المجالس و منتخب النفائس،ج2،ص305۔
(16)۔ عمر بن محمد شہاب الدین سہروردی، عوارف المعارف، محولہ بالا، ص102
(17)۔ ظہیر احمد صدیقی، ڈاکٹر، تصوف اور تصورات صوفیہ، ص13۔
(18)۔ عمر بن محمد شہاب الدین سہروردی، عوارف المعارف، محولہ بالا، ص102تا103۔
(19)۔ میر ولی الدین، ڈاکٹر، خواجہ بندہ نواز کا تصوف اور سلوک، ص42۔
(20)۔ چشتی، پروفیسر یوسف سلیم، تاریخ تصوف، ص115۔
(21)۔ فضل سبحان عباسی، ترجمان شریعت و طریقت، ص41۔
(22)۔ علی بن محمد بن علی الجرجانی، التعریفات، دار الکتاب العربی، بیروت، ۲۰۰۴ ، ص83۔
(23)۔ عبدالکریم بن ہوازن قشیری، رسالہ قشیریہ، محولہ بالا، ص509۔
(24)۔ میر ولی الدین، ڈاکٹر، خواجہ بندہ نواز کا تصوف اور سلوک، ص40۔
(25)۔ ایضاً، محولہ بالا۔
(26)۔ محولہ بالا، رسالہ قشیریہ، ص509۔
(27)۔عبداللہ بن محمد،ابوالنصر سراج،کتاب اللمع،ص 57 تا 58۔
(28)۔ عبدالباری ندوی، مولانا، تجدید دین کامل، ص363۔
(29)۔ ایضاً، محولہ بالا۔
(30)۔ حبیب النسا بیگم، تصوف اقبال، ص8۔
(31)۔ عبدالباری ندوی، مولانا، پروفیسر، تجدید تصوف و سلوک، ص19۔
(32)۔ اشرف علی تھانوی، مولانا، الافاضات الیومیہ، ج8، ص278۔
(33)۔ محمد کاندھلوی زکریا، مولانا، شریعت و طریقت کا تلازم، ص88۔
(34)۔ ابوالحسن علی ندوی، تاریخ دعوت و عزیمت (حصہ ششم)، ج2، ص547تا548۔
(35)۔ عبدالماجد دریاآبادی، تصوف اسلام، ص8تا9۔
(36) محمد بن اسماعیل بخاری، صحیح بخاری، حدیث:1
(37)۔ القرآن:31/24۔
(38)۔ القرآن،8/66۔
(39) القرآن،199/2۔
(40)۔ محی الدین بن شرف النووی، ابوزکریا، ریاض الصالحین، مترجم: ڈاکٹر ساجد الرحمان صدیقی، ص28۔
(41)۔ صحیح مسلم، حدیث:2702۔
(42) القرآن،222/2۔

(43) القرآن، 24/32۔

(44) القرآن، 30/32۔

(45)۔ القرآن، 13/34۔

(46)۔ القرآن، 17/14۔

(47)۔ جامع الترمذی ،حدیث :3371۔

(48)۔ القرآن۔60/40۔

(49)۔ القرآن، 4/68۔

(50)۔ القرآن، 199/7۔

(51)۔ القرآن، 134/3۔